آبادیوں نے تالیاں بجائیں۔سوکھے دھان میں پانی پڑا۔جانے والے ٹھٹک گئے مایوسیوں نے پیٹھ سیدھی کی۔ دوسرا گیند آیا پہلے والے گیند سے دس گز آگے گرا۔ فیلڈر چونکے۔ہٹ پر کمک پہنچائی۔پانچواں گیند آیا اور کٹ پر گیا۔اتنے میں اوور ہوا۔بولر بدلے، نئے بولر پورے قاتل تھے مہلک قاتل تھے مہلک گیند پھینکتے تھے مگر ان کے پہلے ہی گیند کو پرتاپ نے سورج سے بات کرنے کے لیے آسمان کی طرف بھیج دیا۔پھر تو گیند اور تھاپی میں سازش ہوگئی۔گیند آتا اور تھاپی سے بغلگیر ہو کر کبھی پورب کی راہ لیتا اور کبھی پچھم کی راہ لیتا۔کبھی اتر کی اور کبھی دکن کی۔فیلڈروں کا دوڑتے دوڑتے ناک میں دم تھا۔الہ آباد والے اچھلتے تھے بغلیں بجاتے تھے۔ ٹوپیاں ہوا میں اچھل رہی تھیں۔ایک صاحب نے روپے نکال کر لٹا دیئے۔ دوسرے صاحب نے اپنی زنجیر لٹا دی۔حریف دل میں جلتے جھنجھلاتے۔کبھی میدان کی ترتیب بدلتے اور کبھی بالر تبدیل کرتے۔مگر سب تدبیریں اور چالیں بے اثر ہو رہی تھیں۔گیند کا تھاپی سے یارانہ ہو گیا تھا۔

کامل دو گھنٹوں تک پرتاپ پٹاخے اور بم گولے اور ہوائیاں چھوڑتا رہا اور فیلڈر گیند کی طرف لپکتے جیسے بچے چاند کی طرف لپکتے ہیں۔رنوں کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔حریفوں کے چھکے چھوٹے۔ایسے حواس باختہ ہو رہے تھے کہ ایک گیند بھی سیدھا نہ آ رہا تھا۔فیلڈ میں بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔یہاں تک کہ پرتاپ نے پچاس رن اور کیے اور اب اس نے امپائر سے ذرا دم لینے کی مہلت مانگی۔اسے آتے دیکھ کر ہزاروں آدمی اس کی طرف لپکے اور اسے باری باری سے گود میں اٹھا لیا چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی۔سینکڑوں چھاتے، چھڑیاں، ٹوپیاں اور جوتے عالم بالا کی سیر کرنے لگے۔گویا وہ بھی فرط مسرت سے اچھلے پڑتے تھے۔عین اسی وقت تار گھر کے چپراسی نے تار کا لفافہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔پڑھتے ہی پرتاپ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ٹھنڈی سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا ''یارو اب میچ کا فیصلہ تمہارے

ہاتھ ہے میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اسی گاڑی سے واپس مکان چلا جاؤں گا''

یہ کہہ کر وہ بورڈنگ ہاؤس کی طرف چلا۔ سینکڑوں آدمی پوچھنے لگے۔ کیا ہے، کیا ہے، لوگوں کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ مگر اسے بات کرنے کی فرصت کہاں، اسی وقت ٹرین پر بیٹھا اور بنارس کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے بھر ان کا دل تشویش کا جولان گاہ بنا رہا۔ بار بار اپنے کو نفرین کرتا کہ میں چلتے وقت کیوں نہ اس سے مل سکا۔ اب نہ جانے اس سے ملاقات ہو نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ اس کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی تو میں بھی منہ میں کالک لگا کر کہیں مر رہوں گا۔ یہی باتیں سوچ کر کئی بار رویا نو بجے شب کو گاڑی بنارس پہنچی۔ اس پر سے اترتے ہی سیدھا شیاما چرن کے مکان کی طرف چلا۔ فرط ملال سے آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور کلیجہ دھڑک رہا تھا۔ ڈپٹی صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور کملا ڈاکٹر صاحب کے یہاں جانے کو تیار کھڑا تھا۔ پرتاپ چند کو دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ گیا۔ شیاما چرن نے بھی گلے لگایا اور بولے

''کیا ابھی سیدھے الہ آباد سے چلے آ رہے ہو؟''

پرتاپ: ''جی ہاں! آج اماں کا تار پہنچا کہ برجن کی حالت بہت خراب ہے کیا ابھی وہی حالت ہے؟''

شیاما چرن ''کیا کہوں ادھر دو تین مہینے سے روز بروز کمزوری ہوتی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو کہتے ہیں تپ دق ہے مگر حکیم صاحب ضعف جگر بتلاتے ہیں دواؤں کا مطلق اثر نہیں ہوتا، دیکھیں ایشور کو کیا منظور ہے؟''

برجن کو جب سے خبر ملی کہ پرتاپ چند آئے ہیں، تب سے اس کے دل میں امید اور بیم کی گھڑ دوڑ مچی ہوئی تھی۔ کبھی سوچتی کہ گھر آئے ہوں گے۔ تو چچی نے زبردستی ٹھیل ٹھال کر یہاں بھیج دیا ہوگا۔ پھر خیال ہوا کہ شاید میری بیماری کی خبر پائی ہو۔ گھبرا کر ملنے آئے ہو۔ مگر نہیں انہیں میری ایسی کیا فکر پڑی ہے۔ سوچا ہوگا کہ کہیں

مر نہ جائے لاؤ چلو دنیا کا برتاؤ تو کرتا آؤں۔ انہیں میرے مرنے جینے کا کیا غم، آج میں بھی حضرت سے جی کھول کر باتیں کروں گی۔ لیکن نہیں باتوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انہوں نے چپ سادھی ہے تو میں کیوں بولوں۔ بس اتنا کہہ دوں گی کہ بہت اچھی طرح ہوں اور تمہاری خیریت کی دعا کرتی رہتی ہوں۔ پھر زبان نہ کھولوں گی اور میں یہ میلی کچیلی ساڑھی پہنے کیوں بیٹھی ہوں۔ جو اپنا ہمدرد نہ ہو اس کے آگے یہ صورت رہنے سے فائدہ۔ وہ مہمان کی طرح آئے ہیں۔ میں بھی مہمان کی طرح ان سے پیش آؤں گی۔ انسان کا دل کیسا پیچیدہ ہے جس شخص کی سرد مہری کے خیال نے برجن کی یہ گت بنا رکھی تھی اسی شخص کے جلانے کے ایسے ایسے منصوبے باندھ رہی ہے۔

دس بجے کا وقت تھا۔ مادھوری بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی۔ دواؤں کی شیشیاں ادھر ادھر پڑی ہوئی تھیں اور برجن چارپائی پر پڑی یہی سب باتیں سوچ رہی تھی کہ پرتاپ کمرہ میں داخل ہوا مادھوری چونک کر بولی ''بہن اٹھو آ گئے'' برجن ہکا بکا ہو کر اٹھی اور چارپائی سے اترنا چاہتی تھی کہ ضعف کے مارے زمین پر گر پڑی۔ پرتاپ نے اسے سنبھالا اور چارپائی پر لٹا دیا۔ آہ! یہ وہی برجن ہے جو آج سے چند ماہ قبل حسن اور شباب کی مورت تھی۔ جس کے مکھڑے پر چمک اور ہنسی کا بسیرا تھا۔ جس کا بولنا شیاما کا گانا اور ہنسنا من کا لبھانا تھا۔ وہی رسیلی آنکھوں والی، میٹھی باتوں والی برجن اب ایک تودہ استخواں ہو گئی ہے۔ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ پرتاپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مزاج کی کیفیت پوچھنا چاہتا تھا مگر منہ سے صرف اتنا نکلا ''برجن'' اور آنکھوں سے اشک کے قطرے ٹپکنے لگے۔

محبت کی آنکھیں جذبات کے پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ برجن نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ان چند قطرہ ہائے اشک نے اس کے دل کا سب غبار دھو دیا۔

جیسے کسی فوج کا سپہ سالار جو آنے والی لڑائی کا نقشہ دل میں سوچ رہا ہو غنیم کو اپنی

پشت پر دیکھ کر بد حواس ہو جاتا ہے اور مجوزہ نقشہ کا خیال بھی اسے نہیں رہتا، اسی طرح برجن پرتاپ چند کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ سب باتیں بھول گئی جو وہ ابھی پڑی سوچ رہی تھی۔ وہ پرتاپ کو روتے دیکھ کر اپنا سب دکھ بھول گئی اور چارپائی سے اٹھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگی۔ پرتا چند جسے خطاوار کہہ سکتے ہیں اس وقت مظلوم کی حیثیت میں تھا۔ اور برجن جس نے اپنے تئیں گھلا گھلا کر اس حالت کو پہنچا دیا تھا، رو رو کر اس سے کہہ رہی تھی، للو چپ رہو، ایشور جانتا ہے میں بالکل اچھی ہوں۔ گویا اچھا نہ ہونا، اس کی خطا تھی، عورتوں کے احساسات کیسے نازک ہوتے ہیں۔ پرتاپ کی ایک ذرا سی سہل انگاری نے برجن کو اس کی زندگی سے لاپرواہ بنا دیا تھا۔ اور آج آنسوؤں کی چند بوندوں نے اس کے دل کی وہ جلن، وہ سوز، وہ آگ بجھا دی جو کئی مہینوں سے اس کے خون اور جگر کو جلا رہی تھی۔

جو مرض بڑے بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج سے دور نہ ہوا اسے آنسوؤں کے چند قطروں نے چشم زدن میں دور کر دیا۔ کیا یہ پانی کے قطرے امرت کی بوندیں تھیں؟

پرتاپ نے ضبط کر کے پوچھا ''برجن! تم نے اپنی کیا گت بنا رکھی ہے''

برجن (مسکرا کر) ''یہ گت میں نے نہیں تم نے بنائی ہے''

پرتاپ: ''اماں کا تار نہ پہنچتا تو مجھے اطلاع بھی نہیں ہوتی''

برجن: ''ضرورت کیا تھی جسے بھلانے کے لیے الہ آباد چلے گئے۔ اس کے مرنے جینے کی تمہیں کیا پرواہ؟''

پرتاپ: ''باتیں بنا رہی ہو، غیروں کو کیوں خط لکھتیں؟''

برجن: ''کسے امید تھی کہ تم اتنی دور سے آنے کی یا خط لکھنے کی زحمت اٹھاؤ گے جو دروازے سے آ کر پھر جائے اور صورت دیکھنے تک کا روادار نہ ہو اسے خط بھیج کر کیا کرتی؟''

پرتاپ ''اس وقت لوٹ جانے کا جتنا صدمہ مجھے ہوا تھا میرا دل ہی جانتا ہے۔تم نے اس وقت تک میرے پاس کوئی خط نہ لکھا تھا۔میں نے سمجھا کہ اب یاد دل سے جاتی رہی''

برجن: ''اگر میں تمہاری باتوں پر اعتبار کرنے کی عادی نہ ہوتی تو اس وقت کہہ دیتی کہ یہ سوچی ہوئی باتیں ہیں''

پرتاپ: ''خیر جیسا سمجھو،اب یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے؟میں نے تمہیں پہچانا نہیں کیسا چہرہ اتر گیا ہے؟''

برجن: ''اب اچھی ہو جاؤ گی دوا مل گئی''

پرتاپ کنایہ سمجھ گیا افسوس!میری ذرا سی غلطی نے یہ قیامت ڈھا دی۔دیر تک اسے سمجھاتا رہا اور علی الصبح جب وہ اپنے گھر چلا تو برجن کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے بھولے نہیں ہیں اور میری یاد اور عزت ان کے دل میں قائم ہے۔پرتاپ نے اس کے جگر میں سے وہ کانٹا نکال دیا جو کئی مہینوں سے کھٹک رہا تھا اور جس نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔ایک ہی ہفتہ میں اس کا مکھڑا کندن کی طرف دمکنے لگا گویا کبھی بیمار ہی نہ ہوئی تھی۔

16

فرض کی جیت اور محبت کی ہار

مریض جب تک بیمار رہتا ہے،اسے خبر نہیں ہوتی کہ کون میری تیمار داری کرتا ہے۔کون میری عیادت کے لیے آتا ہے۔وہ اپنی ہی تکلیفوں میں اس قدر محو رہتا ہے کہ کسی بات کا خیال ہی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔مگر جب اسے صحت ہو جاتی ہے تو اپنے تیمارداروں کی توجہ اور پریشانی سرگرمی اور جانفشانی کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔اور اس کے دل میں ان کی محبت اور عزت زیادہ ہو جاتی ہے۔بعینہ یہی حال برج رانی کا تھا۔جب تک وہ خود آزار دل میں مبتلا تھی،کملا چرن کی حیرانیوں اور

پریشانیوں کا اندازہ نہ لگا سکتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اس کی خاطر داری میں کوئی بات اٹھا نہ رکھتی مگر یہ خاطر داریاں محض ایک فرضی انتقام کے خیال سے ہوتی تھیں نہ کہ سچی محبت سے لیکن جب اس کے جگر سے غم کا کانٹا نکل گیا تو کملا کی دواد ش اور سرگردانیاں یاد آئیں اور یہ فکر پیدا ہوئی کہ ان عنایات بیکراں کا جواب کیوں کر دوں میرا دھرم تھا کہ اپنی ذات سے انہیں آرام پہنچاتی۔ مگر آرام کا تو کیا ذکر میں تو الٹا ان کی جان کی گاہک ہوئی ہوں۔ وہ تو ایسے سچے دل سے میری محبت کریں اور میں اپنے فرائض بھی ادا نہ کر سکوں۔ ایشور کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ سچی محبت کا کمل بسا اوقات احسان کے اثر سے کھل جایا کرتا ہے۔ جہاں حسن و شباب، دولت و جاہ اور محاسن ذاتی محبت کا بیج بونے میں ناکام رہتے ہیں وہاں اکثر احسان کا جادو چل جاتا ہے۔ کوئی دل ایسا سخت اور سرد نہیں ہو سکتا جو سچی خدمت کے احسان سے پگھل نہ جائے

کملا اور برج رانی میں روز بروز اخلاص اور پیار بڑھنے لگا۔ ایک بندہ محبت تھا تو دوسری کنیز فرض۔ ممکن نہ تھا کہ برج رانی کی زبان سے کوئی بات نکلے اور کملا چرن اس کے پورا کرنے کے لیے دل و جان سے کوشش نہ کرے۔ اب اس کی محنت اور لیاقت انہیں کوششوں میں صرف ہوتی تھی۔ پڑھنا صرف والدین کو دھوکہ دینے کا ایک وسیلہ تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی طبیعت کا رنگ پرکھتا رہتا اور اس امید پر کہ یہ کام ان کی خوشی کا باعث ہوگا۔ وہ سب کچھ کرنے کا تیار تھا۔ ایک روز اس نے مادھوری کو پھلواڑی سے پھول چنتے دیکھا۔ یہ چھوٹا سا باغیچہ مکان کی پشت پر تھا۔ مگر چونکہ کنبہ کے کسی فرد کو اس سے دلی ہمدردی نہ تھی اس لیے بارہوں مہینے اس پر خزاں کا دور رہتا تھا۔ برج رانی کو پھولوں سے فطری محبت تھی پھلواڑی کی یہ درگت دیکھی تو مادھوری کو تاکید کی کبھی کبھی اس میں پانی دے دیا کرو۔ رفتہ رفتہ باغیچے کی حالت کچھ کچھ سنبھل چلی اور بعض بعض پودوں میں پھول نظر آنے لگے۔ کملا چرن کے لیے اتنا اشارہ کافی

تھا۔ دل و جان سے باغیچہ کے سنوارنے پر تل گیا۔ دو ہوشیار مالی نوکر رکھ لیے۔ قسم قسم کے خوش رنگ پھول اور پودے لگائے جانے لگے۔ انواع و اقسام کی گھانسیں اور پنیریاں گملوں میں سجائی جانے لگیں۔ چمن اور روشیں درست ہونے لگیں۔ جا بجا لتائیں چڑھا دی گئیں۔ کملا چرن دن کے دن کتاب ہاتھ میں لیے باغیچہ میں ٹہلتا پھرتا اور مالیوں سے باغیچہ کی بناوٹ اور سجاوٹ کی تاکید کرتا رہتا تھا۔ صرف اس لیے کہ برجن خوش ہوگی۔ ایسے بندہ رضا کا جادو کس پر نہ چل جائے گا ایک دن کملا نے کہا آؤ تمہیں باغیچہ کی سیر کراؤں۔ برج رانی تیار ہوگئی۔ چاند نکل آیا تھا اور اس کی زرد روشنی میں پھول اور پودے بہت سہانے معلوم ہوتے تھے۔ دھیمی دھیمی ہوا چل رہی تھی اور موتیے اور بیلے کی لپٹیں دماغ کو معطر کیے دیتی تھیں۔ ایسے وقت میں برجن ایک ملگجی ریشمی ساڑھی اور ایک نفیس مخملی سلیپر پہنے روشوں پر ٹہلتی نظر آتی۔ اس کے چہرے کی ملاحت پھولوں کو شرمندہ کر رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ پھولوں کی دیوی ہے۔ کملا چرن بولے ''آج محنت سپھل ہوگئی''

جیسے قمقموں میں گلاب بھرا ہوتا ہے، اسی طرح برج رانی کی آنکھوں میں محبت کا رس بھرا ہوا تھا۔ وہ مسکرائی مگر زبان سے کچھ نہ بولی

کملا ''مجھ جیسا خوش نصیب آدمی دنیا میں نہ ہوگا''

برجن: ''کیا مجھ سے بھی زیادہ؟''

کملا متوالا ہو رہا تھا برجن کو پیار سے گلے لگا لیا

کچھ دنوں تک روزانہ یہی معمول رہا۔ اسی اثناء میں تازہ دلچسپیوں کے سامان پیدا ہوگئے۔ رادھا چرن نے تصویروں کا ایک خوبصورت البم برجن کے پاس بھیجا۔ اس میں کئی تصویریں چندرا کی بھی تھیں۔ کہیں وہ شیاما کو بیٹھی پڑھا رہی ہے۔ کہیں بیٹھی ہوئی خط لکھ رہی تھی۔ اس کی تصویر مردانہ لباس میں تھی۔ رادھا چرن فوٹوگرافی کے فن سے بھی واقف تھا۔ برجن نے یہ البم بہت پسند کیا۔ پھر کیا تھا کملا کو دھن سوار ہوئی کہ

میں بھی تصویر کشی میں مہارت حاصل کروں گا اور برجن کی تصویر کھینچوں گا۔ بھائی کے پاس لکھ بھیجا کہ کیمرہ اور دوسرے سامان ضروری میرے پاس بھیج دیجیے۔ اور مشق شروع کر دی۔ گھر سے چلتے کہ مدرسہ جا رہا ہوں اور بیچ میں ایک فوٹو گرافر کی دکان پر آ بیٹھتے۔ تین چار مہینے کی محنت اور کوشش میں اس فن سے پوری واقفیت ہو گئی۔ مگر ابھی تک گھر پر کسی کو یہ راز معلوم نہ تھا۔ کئی بار برجن نے پوچھا بھی مگر کملا چرن نے ہوں ہاں کر کے ٹال دیا۔

ایک روز کملا چرن کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ برجن کے جی میں آئی لاؤ پرتاپ چند کو ایک خط لکھ ڈالوں۔ مگر صندوق کھولا تو چٹھی کا کاغذ ندارد۔ مادھوری سے کہا جا کر اپنے بھیا کی ڈیسک سے تھوڑا سا کاغذ نکال لا۔ مادھوی روڑی ہوئی گئی تو اسے ڈیسک پر تصویروں کا البم کھلا ہوا ملا۔ اس نے البم اٹھا لیا اور اندر آ کر بولی ''بہن دیکھو یہ تصویر ملی۔''

برجن نے اسے شوق سے ہاتھ میں لے لیا اور پہلا ہی ورق الٹا تھا کہ اچنبھا سا ہو گیا۔ وہ اسی کی تصویر تھی۔ وہ اپنی پلنگ پر چادر اوڑھے نیند میں مست پڑی تھی، بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور ایک ایک عضو سے بے تکلفی ٹپکتی تھی۔ ہونٹوں پر ایک دل پذیر مسکراہٹ کا جلوہ تھا، گویا کوئی دل پسند خواب دیکھ رہی ہے۔ تصویر کے نیچے جلی حروف میں لکھا تھا ''خواب ناز'' برجن حیرت میں تھی کہ میری ایسی تصویر انہوں نے کیسے کھنچوائی۔ کیا کسی فوٹو گرافر کو اندر لائے ہوں گے؟ نہیں ایسی شرارت بھلا کیا کریں گے۔ کیا تعجب ہے خود ہی سیکھ لیا ہو۔ ادھر مہینوں سے بہت مشغول بھی تو ہیں۔ اگر خود ایسی عمدہ تصویر کھینچی ہے تو واقعی قابل تعریف کام کیا ہے۔ دوسرا ورق الٹا تو وہ بھی اپنی ہی تصویر۔ وہ ایک ساڑھی پہنے بے تکلفی سے آدھے سر تک آنچل ڈالے سیر چمن میں مصروف تھی۔ اس تصویر کے نیچے لکھا ہوا تھا ''سیر باغ'' تیسرا ورق الٹا تو وہ بھی اپنی تصویر تھی۔ وہ باغیچہ میں زمین پر بیٹھی ہار گوندھ رہی تھی۔ ڈھیروں

پھول ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں اور مادھوری دوڑ دوڑ کر پھول چن رہی ہے۔ یہ تصویر تینوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ کیونکہ مصور نے بڑی صفائی سے قدرتی رنگ بھرے تھے۔ اس تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ ''البیلی مالن'' اب برجن کو خیال آیا کہ ایک روز جب میں ہار گوندرہی تھی تو کملا چرن نیل کانٹے کی جھاڑی سے مسکراتے ہوئے نکلے تھے۔ ضروری اسی دن یہ تصویر کھینچی ہو گی۔ چوتھا ورق الٹا تو ایک نہایت لطیف اور دلکش منظر دکھائی دیا۔ ایک شفاف پانی کا چشمہ تھا اور اس کے دونوں کناروں پر جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی گلاب کے تختے نظر آتے تھے۔ ان کے نازک پھول ہوا کے جھونکے سے لچکے ہوئے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قدرت نے سبز آسمان میں سرخ تارے ٹانک دیئے ہیں۔ یہ کسی انگریزی تصویر کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ البم کے اور صفحے ابھی سادہ تھے۔

برجن نے اپنی تصویریں دوبارہ دیکھیں اور اس نخوت آمیز مسرت کے ساتھ جو ہر پری پیکر کو اپنے حسن پر ہوتی ہے، البم کو چھپا کر رکھ دیا۔ شام کو کملا چرن نے آکر دیکھا تو تصویریں غائب تھیں۔ ہوش اڑ گئے، وہ اس کے کئی مہینوں کی جگر کاوی کا ثمرہ تھیں اور اسے امید تھی کہ البم تحفہ میں دے کر برجن کے دیدۂ دل میں اور بھی گھر کر لوں گا۔ بہت پریشان ہوا، اندر جا کر برجن سے دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ بے چارہ گھبرایا ہوا اپنے دوستوں کے گھر گیا کہ شاید ان میں سے کوئی اٹھا لے گیا ہو۔ مگر وہاں بھی بجز پھبتیوں کے کچھ ہاتھ نہ لگا۔ آخر جب حضرت بہت زچ ہو گئے تو شام کے وقت برجن نے البم کا پتہ بتایا۔

اسی طرح دن لطف سے گزر رہے تھے۔ آپس میں چھیڑ چھاڑ اور مزے کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ دونوں کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ میدان الفت میں آگے نکل جائیں مگر دونوں کی محبتوں میں فرق تھا۔ کملا چرن غلبہ الفت میں اپنے کو بالکل بھول گیا تھا۔ برعکس اس کے برجن کی محبت فرض کی بنیاد پر قائم تھی۔ ہاں یہ خوش گوار فرض

تھا جسے محبت کی چاشنی نے بہت پرلذت بنا دیا تھا۔

تین سال اور گزر گئے۔ یہ ان کی زندگی کے تین مبارک سال تھے۔ چوتھے سال کا آغاز ایام مصیبت کی ابتدا تھا۔ بعض ہستیوں کو قدرت کی جانب سے دنیا کی نعمتیں اور کامرانیاں اس بہتات سے ملتی ہیں کہ ان کے لیے دن سدا ہولی اور رات سدا دیوالی رہتی ہے۔ مگر کتنی ہی ایسی بدقسمت ہستیاں بھی ہیں جس کا پیمانہ محبت چھوٹا اور چھچھلا ہوتا ہے۔ ایسا چھوٹا کہ آنکھوں میں نشہ کی سرخی آنے سے پہلے ہی جام خالی ہو جاتا ہے اور مسرت کے چند لمحے زندگی کی سیاہ گھٹا میں ایک بار بجلی کی طرح کوند کر ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ جاتے ہیں۔ برج رانی انہیں بدقسمتوں میں تھی۔

بسنت کی رت تھی۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ سردی اس غضب کی تھی کہ کنوؤں کا پانی جم جاتا تھا۔ اس وقت شہر میں طاعون کا دورہ ہوا۔ ہزاروں آدمی اس کی نذر ہو گئے۔ ایک روز شدت کا بخار آیا۔ ایک گلٹی نکلی اور مریض راہی ملک عدم ہو گیا۔ گلٹی کا نکلنا گویا موت کا پروانہ تھا۔ کیا حکیم کیا ڈاکٹر کسی کا علاج کارگر نہیں ہوتا۔ سینکڑوں گھر بے چراغ ہو گئے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جس کے جدھر سینگ سمائے ادھر بھاگ نکلا۔ ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کوئی کسی کا ہمدرد اور غم خوار نہیں تھا۔ والدین بچوں کو چھوڑ بھاگے۔ عورتیں مردوں سے کنارہ کش ہو گئیں۔ گلیوں میں، سڑکوں پر، مکانوں میں جدھر دیکھیے لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ دکانیں بند ہو گئیں، دروازوں میں قفل پڑ گئے۔ چوطرفہ خاک اڑتی تھی۔ مشکل سے کوئی جان دار چلتا پھرتا دکھائی دیتا تھا۔ اور اگر کوئی مجبور ہو کر گھر سے نکل پڑا تو وہ ایسی تیزی سے قدم اٹھاتا تھا گویا موت کا سپاہی اس کے تعاقب میں ہے۔ ساری بستی ویران ہو گئی۔ اگر آباد تھا تو قبرستان یا شمشان، چوروں اور رہزنوں کی بن آئی، دن دہاڑے قفل ٹوٹتے تھے اور آفتاب کی روشنی میں سیندیں پڑتی تھیں۔ جو لوگ طاعون سے بچے انہیں فاقوں نے آ دبوچا۔ غرض عجیب مصیبت کا

سامنا تھا۔

بابو شیاما چرن بہت مضبوط دل کے آدمی تھے۔ مکان کے چاروں طرف محلے خالی ہو گئے تھے، مگر وہ ابھی تک اپنے مکان میں بے خوف و خطر تھے۔ مگر جب ان کا ایک سائیس مر گیا تو سارے کنبے میں کھلبلی مچ گئی اور دیہات چلنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ منشی جی نے اسی ضلع میں چند گاؤں خرید لیے تھے اور مجگاؤں نامی موضع میں ایک وسیع مکان بنوا رکھا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ پنشن پانے پر یہیں بود و باش اختیار کروں گا۔ کاشی چھوڑ کر آگرے میں کون مرنے جائے۔ برجن نے یہ تجویز سنی تو بہت خوش ہوئی۔ دیہاتی زندگی کے روشن پہلو اس کی آنکھوں میں پھر رہے تھے۔ ہرے بھرے درخت اور سبز لہلہاتے ہوئے کھیت، ہرنوں کے جھنڈ اور چڑیوں کا چہچہانا، یہ بہاریاں لوٹنے کے لیے اس کا دل بے قرار ہو رہا تھا۔ کملا چرن بھی شکار کے لیے اپنی بندوق صاف کرنے لگے۔ مگر منشی جی نے اسے بلا کر کہا کہ تم الہ آباد جانے کے لیے تیار ہو جاؤ! پرتاپ چند وہاں تمہارا نگراں رہے گا۔ دیہات میں وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ اتنا سننا تھا کہ کملا چرن کی نانی مر گئی۔ الہ آباد جانے سے صاف صاف انکار کر بیٹھا۔ بہت دیر تک منشی جی اسے سمجھاتے رہے مگر وہ جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ آخر ان آخری الفاظ نے فیصلہ کر دیا ''تمہارے مقسوم میں علم لکھا ہی نہیں ہے، میری حماقت ہے کہ اس سے لڑتا ہوں''

برج رانی نے جب یہ تازہ تجویز سنی تو اسے بہت رنج ہوا۔ عورت کے مزاج میں خود بینی کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بوا زعفران کے بھی دل میں اپنی خوبصورتی کی تعریف سن کر گدگدی پیدا ہونے لگتی ہے۔ برج رانی اب بھی سمجھتی تھی کہ کملا کا دھیان پڑھنے میں نہیں لگتا۔ مگر یہ تغافل اب اسے ناگوار معلوم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات اس کا جی چاہتا تھا کہ آج یہ مدرسے نہ جاتے تو اچھا ہوتا۔ کملا کی محبت آمیز آواز اس کے کانوں کو بہت پیاری معلوم ہوتی۔ مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کملا نے الہ آباد

جانے سے صاف انکار کر دیا اور لالہ جی بہت سمجھا رہے ہیں تو اسے کچھ دنوں تک تنہا رہنا گوارا تھا۔ بجائے اس کے کہ کملا کو اپنے والد کی نافرمانی کرتے دیکھے۔ مادھوری کو بھیجا کہ اپنے بھیا کو بلا لا! مگر کملا نے جگہ سے ہلنے کی قسم کھالی تھی۔ سوچتا کہ اندر جاؤں گا تو وہ ضرور الہ آباد جانے کے لیے کہے گی۔ اسے کیا خبر کہ یہاں دل پر کیا گزر رہی ہے۔ کاش! اس کا دل مجھے مل جاتا، یوں بات چیت میں تو قند و شکر گھول دیتی ہے۔ مگر جب کبھی محبت کے امتحان کا موقع آ جاتا ہے تو فرض اور مصلحت کے پردے میں منہ چھپانے لگتی ہے۔ حق یہ ہے کہ عورتوں میں وفا کی بو ہی نہیں ہوتی۔

جب رات زیادہ ہوگئی اور کملا جگہ سے نہ ہلا تو برج رانی خود آئی اور بولی ''کیا آج گھر میں جانے کی قسم کھالی ہے۔ راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں''

کملا: ''اندر جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے''

برجن: ''اچھا چلو میں ساتھ چلتی ہوں، اب تو نہ ڈرو گے''

کملا: ''مجھے الہ آباد جانے کے لیے حکم ہوا ہے''

برجن: ''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی''

یہ کہہ کر برجن نے کملا کی طرف آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں انگور کے خوشے لگے ہوئے تھے۔ کملا ہار گیا، ان موہنی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کا جگر تھا جو اپنی ضد پر قائم رہے۔ کملا نے اسے گلے لگا لیا اور بولے

''میں جانتا تھا کہ تم جیت جاؤ گی اسی لیے اندر نہ جاتا تھا''

ساری رات محبت کی الوداعی باتیں ہوتی رہیں۔ محبت کی باتیں ہوتی رہیں گویا وہ کبھی نہ ملیں گی۔ افسوس! یہ جدائی آخری ملاقات تھی۔ برجن نے پھر کملا کی صورت نہ دیکھی۔ وہ کیا جانتی تھی کہ قسمت ہمیں ہمیشہ کے لیے جدا کر رہی ہے۔

17

برجن کے خطوط کملا کے نام

پیارے: محبت نامہ ملا، سر اور آنکھوں سے لگایا۔ ایسے خط تم نہ لکھا کرو، کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ میں لکھوں تو مضائقہ نہیں۔ یہاں طبیعت سخت گھبرا رہی ہے۔ کیا سنتی تھی اور کیا دیکھتی ہوں، ٹوٹے پھوٹے پھوس کے جھونپڑے۔ ایک ایک بالشت کی بوسیدہ دیواریں۔ گھر کے سامنے کوڑے کرکٹ کے بڑے بڑے ڈھیر، کیچڑ میں لپٹی ہوئی سوریں، دبلی مریل گائیں، یہ سب نظارہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ کہیں چلی جاؤں۔ آدمیوں کو دیکھو تو خستہ حال، ہڈیاں نکلی ہوئیں، پریشانی کی مورت، افلاس کی زندہ تصویریں، کسی کے جسم پر ثابت کپڑا نہیں، کیسے قسمت کے کھوٹے کہ رات دن پسینہ بہانے پر بھی کبھی پیٹ بھر روٹیاں نصیب نہ ہوں۔ خیر ہمارے مکان کے پیچھے ایک چھوٹی سی گڑھیا ہے۔ مادھوری کھیلتی تھی۔ پیر پھسلا تو پانی میں گر پڑی۔ یہاں مشہور ہے کہ اس گڑھیا میں چڑیلیں نہایا کرتی ہیں۔ اور خواہ مخواہ راہ چلتوں کو چھیڑتی ہیں۔ اس طرح دروازہ پر پیپل کا ایک تناور درخت ہے۔ وہ بھوتوں کا کمبخت پیپل کے بھوتوں کا خوف تمہارے گاؤں کے دلوں پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ سر شام ہی راستہ بند ہو جاتا ہے۔ لڑکے اور عورتیں ادھر قدم ہی نہیں رکھتیں۔ ہاں اکا دکا مرد کبھی کبھی گزر بھی جاتا ہے مگر وہ بھی گھبرایا ہوا۔ یہ دو مقام تو گویا ان پلید روحوں کے مرکز ہیں۔ ان کے علاوہ صدہا بھوت چڑیل مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ معتبر روایتیں ہیں کہ چڑیلیں نظر آتی ہیں۔ گاؤں والوں نے ان کے مزاج پہچان رکھے ہیں۔ کسی بھوت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سر چڑھتا ہے تو مہینوں پیچھا نہیں چھوڑتا اور کوئی دو ایک دن میں پوجا لے کر الگ ہو جاتا ہے۔ گاؤں والوں میں ان امور پر اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں گویا یہ بدیہی واقعات ہیں۔ یہاں تک سنا گیا ہے کہ چڑیلیں کھانا مانگنے اور پانی لینے آیا کرتی ہیں ان کی ساڑھیاں عموماً بگلے کے پر کی طرح صاف ہوتی ہیں اور باتیں کس قدر ناک میں کرتی ہیں۔ ہاں گہنے کا استعمال

ان کی قوم میں رائج نہیں۔ ان کی زد میں آ جانے کا خطرہ ان جوان عورتوں کو ہوتا ہے جو بناؤ سنگھار کیے، رنگین کپڑے پہنے اکیلی نظر آ جاتی ہیں۔ پھولوں کی باس ان کو بہت پسند ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی عورت یا لڑکا دوپہر کو یا رات کو اپنے دوبارہ کہیں پاس پھول رکھ کر سوئے۔

بھوتوں کے رتبہ کا امتیاز دانائی سے کیا گیا ہے۔ جوگی بابا آدھی رات کو کالی کمریا اوڑھے کھڑاؤں پر سوار چاروں طرف گھومتے ہیں اور بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں۔ سال بھر میں ایک سا ان کی پوجا ہوتی ہے۔ وہ اب بجائے بھوتوں کے دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل ہوتے ہیں وہ کسی آفت کو حتی الوسع گاؤں میں قدم نہیں رکھنے دیتے۔ اس کے برعکس دھوبی بابا سے بچہ بچہ تھراتا ہے۔ جس درخت پر ان کی بودوباش ہے ادھر سے اگر کوئی چراغ جلنے کے بعد گزر جائے تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ انہیں بھگانے کو دو بوتل شراب کافی ہے۔ ان کا پجاری منگل کے دن اس درخت کے تلے گانجہ اور چرس رکھ آتا ہے۔ ایک لالہ صاحب بھی بھوت بن بیٹھے ہیں۔ یہ ذات شریف پٹواری تھے۔ انہیں چند ستم زدہ آسامیوں نے قتل کر ڈالا۔ ان کی پکڑ وہ بلا کی پکڑ ہے کہ جان لیے پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کوئی پٹواری یہاں سال بھر سے زیادہ نہیں رہ سکتا تھا۔ تم کہو گے کہ یہ کہاں سے بھوت چڑیل کا پچڑا لے بیٹھی۔ میں کیا کروں گاؤں سے ذرا فاصلہ پر ایک درخت ہے، اس پر مولوی صاحب قیام فرماتے ہیں۔ وہ بے چارے کسی کو نہیں چھیڑتے۔ ہاں جمعرات کے روز جمعراتی نہ پہنچ جائے تو بچوں کو ستاتے ہیں۔

کیسی جہالت ہے! کیسی توہم پرستی! یہ خیالات ان لوگوں کا خمیر ہو گئے ہیں۔ بچہ بیمار ہو اور بھوت کی پوجا ہونے لگی۔ کھیت کھلیان میں بھوت کا حصہ، بیاہ شادی میں بھوت کا حصہ، جدھر دیکھیے بھوت ہی بھوت نظر آتے ہیں یہاں نہ دیوی ہیں نہ دیوتا۔ بھوتوں کا راج ہے، جمراج یہاں قدم نہیں رکھتے۔ روحیں بھوت ہی قبض

کرتے ہیں۔ان خیالات کی کیوں کر اصلاح ہوگی۔اور کیا لکھوں۔

تمہاری

برجن

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مجگاؤں

پیارے! شکر ہے بعد مدت کے تمہارا پریم پتر ملا۔ کیا سچ مچ خط لکھنے کی بھی فرصت نہیں، خط کیا لکھا ہے گویا بیگار ٹالی ہے۔ تم میں تو یہ عادت نہ تھی، کیا وہاں جا کر کچھ اور ہو گئے۔ تمہیں یہاں سے گئے دو ماہ ہو گئے۔ اس درمیان میں کئی چھوٹی بڑی تعطیلیں پڑیں مگر تم نہ آئے۔ تم سے ہاتھ جوڑ کے کہتی ہوں۔ ہولی کی تعطیل میں ضرور آنا۔ اگر اب کی ترسایا تو مجھے ہمیشہ شکایت رہے گی۔

یہاں آ کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی دوسری دنیا میں آ گئی ہوں۔ رات کی سوئی ہوئی تھی کہ یکا یک ہاہا ہو ہو کا غل سنائی دیا۔ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ لڑکے گھر گھر سے لکڑی اور اپلے وصول کرتے پھرتے ہیں۔ ہولی ماتا کی یہی خوراک ہے۔ یہ طوفان بدتمیزی جہاں پہنچ گیا، ایندھن کا ستھراؤ ہو گیا، کسی کی مجال نہیں کہ اس طوفان فوج کو روک سکے۔ ایک نمبردار کی منڈیا غائب ہو گئی۔ اس میں دس بارہ بیل آسانی سے بندھ سکتے تھے۔ ہولی والے کئی دن سے تاک میں تھے۔ موقع پا کر اڑا کر لے گئے۔ ایک کرمی کا جھونپڑا اڑ گیا۔ کتنے ہی ایلو رلاپتہ ہو گئے۔ لوگ اپنی لکڑیاں گھروں میں بھرے لیتے ہیں۔ لالہ جی نے ایک پیڑ ایندھن کے لیے مول لیا تھا۔ آج رات کو وہ بھی ہولی ماتا کے منہ میں چلا گیا۔ دو تین گھروں کے کواڑ اڑ گئے۔ پٹواری صاحب دروازہ پر سو رہے تھے۔ انہیں زمین پر دھکیل کر لوگ چارپائی لے بھاگے۔ چو طرفہ ایندھن کی لوٹ مچی ہوئی ہے۔ جو چیز ایک بار ہولی ماتا کے منہ میں چلی گئی اسے پھیر لانا بڑا بھاری گناہ ہے۔ پٹواری صاحب نے بڑی دھمکیاں دیں کہ میں جمع بندی بگاڑ دوں گا۔ خسرہ بگاڑ دوں گا، مگر کچھ نہ ہوا۔ یہاں کا رسم ہے کہ ان دنوں ہولی والے دن جو چیز پائیں بلا مزاحمت لے جائیں۔ کون کس کی فریاد کرے۔ نوجوان بیٹا اپنے باپ کی آنکھ بچا کر اپنی ہی چیز اٹھوا دیتا ہے۔ اگر وہ

ایسا نہ کرے تو اپنی جماعت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے۔

فصل تیار ہو گئی ہے مگر کاٹنے میں دو ہفتہ کی کسر ہے۔ میرے دروازے پر سے میلوں کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ گیہوں اور جو کے سنہرے کھیتوں کے کنارے کنارے کسم کے سرخ اور زعفرانی پھولوں کا حاشیہ نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ چوطرفہ طوطے منڈلایا کرتے ہیں۔ مادھوری نے یہاں کئی سکھیاں بنا رکھی ہیں۔ پڑوس میں ایک اہیر رہتا ہے۔ رادھا نام ہے۔ پارسال ماں باپ طاعون کا شکار ہو گئے تھے۔ گرہستی کے کل کاراسی کے سر پر ہیں۔ اس کی بیوی تلسی ہمارے یہاں اکثر آتی ہے۔ خوبصورت نک سک سے درست ہے۔ بات چیت کرنے میں شرمائی جاتی ہے۔ بھولی اتنی کہ جی چاہتا ہے گھنٹوں اس کی باتیں سنا کروں۔ مادھوری نے اس سے بہناپا کر رکھا ہے۔ کل ان کی گڑیوں کا بیاہ ہے۔ تلسی کی گڑیا اور مادھوری کا گڈا ہے سنتی ہوں بے چاری بہت غریب ہے۔ مگر میں نے اس کے چہرے پر کبھی میل نہیں دیکھی کہتی تھی کہ اپلے بیچ کر دو روپیہ جمع کر لیا ہے۔ ایک روپیہ جہیز میں دے گی اور ایک روپیہ میں براتیوں کا کھانا پینا ہوگا۔ گڑیا کہ گہنے کپڑے کا بوجھ رادھا کے سر ہے۔ کیسی سادہ قناعت سے بھری ہوئی معاشرت ہے۔

لو اب رخصت ہوتی ہوں۔ تمہارا وقت بکواس سننے میں ضائع ہوا معاف کرنا، تمہیں خط لکھتی ہوں تو قلم رکتا ہی نہیں، ابھی بہتیری باتیں لکھنے کو پڑی ہیں، پرتاپ چند کو میرا پالاگن کہہ دینا۔

تمہاری

برجن

مجگاؤں

پیارے! محبت نامہ ملا، سینے سے لگایا، خوب! چوری اور سینہ زوری، اپنے نہ آنے کا الزام میرے سر رکھتے ہو۔ میرے دل سے کوئی پوچھے کہ اسے تمہارے دیدار کی کتنی آرزو ہے۔ اب یہ تمنا اضطراب کی صورت پکڑتی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو بے چین ہو جاتی ہوں۔ میری یہ حالت تھوڑے ہی دنوں سے ہونے لگی ہے۔ جس وقت یہاں سے گئے، مجھے معلوم نہ تھا وہاں جا کر میری دلیل کرو گے۔ خیر تمہیں سچ اور میں ہی جھوٹ، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے میرے خط پسند کیے۔ مگر پرتاپ چند کو ناحق دکھائے۔ وہ حالات قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ غلطیاں رہ گئی ہوں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ پرتاپ نے انہیں بہت قیمتی سمجھا ہو۔ اگر وہ میرے خطوط کی اتنی وقعت سمجھتے ہیں کہ ان کے سہارے سے ہماری دیہاتی معاشرت پر کوئی دلچسپ مضمون لکھ سکیں تو میں اپنے تئیں بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں۔

کل یہاں دیوی جی کی پوجا تھی۔ ہل، چکی، پر اور چولہے سب بند تھے۔ دیوی جی کا ایسا ہی حکم ہے۔ اب ان کے حکم کی نافرمانی کون کرے۔ حقہ پانی بند ہو جائے۔ سال بھر میں یہی ایک دن ہے جسے گاؤں والے بھی تعطیل سمجھتے ہیں۔ ورنہ ہولی دیوالی بھی روزمرہ کے ضروری کام نہیں بند کر سکتیں۔ بکرا چڑھا، ہون ہوا، ستو کھلایا گیا۔ اب گاؤں کے بچے بچے کو یقین کامل ہے کہ طاعون کا دور یہاں نہ ہو سکے گا۔ یہ سب تماشہ دیکھ کر سوئی تھی۔ قریب بارہ بجے ہوں گے کہ سینکڑوں آدمی ہاتھوں میں مشعلیں لیے غل مچاتے نکلے اور سارے گاؤں کا پھیرا کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ بیماری اس حد کے اندر قائم نہ رہ سکے گی۔ ططواف کے ختم ہونے پر چند آدمی دوسرے گاؤں کی حدود میں گھس گئے اور تھوڑا سا پان چاول لونگ وغیرہ چیزیں زمین پر رکھ دیں۔ یعنی اپنے گاؤں کی بلا دوسرے گاؤں والوں میں ڈال دی۔ جب

یہ لوگ اپنا کام پورا کر کے چلنے لگے، تو اس گاؤں والوں کو سن گن مل گئی۔ سینکڑوں آدمی لاٹھی لے کر چڑھ دوڑے۔ اور دونوں گاؤں میں خوب مار پیٹ ہوئی۔ اس وقت گاؤں کی حدود میں کئی آدمی ہلدی پی رہے ہیں۔

آج سویرے کل کے بچے کھچے رسوم ادا کیے گئے جسے یہاں کی اصطلاح میں کڑھائی دینا کہتے ہیں۔ میرے دروازے پر ایک بھٹہ کھودا گیا اور اس میں ایک گڑھا دودھ سے لبریز رکھا گیا کاشی نام کا ایک بھر ہے جو وہ بدن پر بھوبھوت رمائے آیا۔ گاؤں کے آدمی ٹاٹ پر بیٹھے۔ کڑھاؤ کے مال کو بکھیر دیا گیا۔ جب کڑھاؤ میں خوب ابال آیا تو کاشی یکا یک اٹھا اور جے کالی جی کی کہہ کڑھاؤ میں کود پڑا۔ میں تو سمجھی اب یہ زندہ نہ نکلے گا مگر پانچ منٹ کے بعد کاشی نے پھر جست ماری اور کڑاہ کے باہر تھا۔ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا تھا۔ لوگوں نے اسے مالا پہنائی اور ہاتھ جوڑ کر پوچھنے لگے۔

''مہاراج! اب کی فصل کیسی ہوگی۔ پانی کیسا برسے گا، بیماری آئے گی یا نہیں۔ گاؤں کے لوگ خیریت سے رہیں گے؟ گڑھا بھاؤ کیسا رہے گا؟ کاشی نے ان سب سوالوں کے جواب صاف مگر مجذوبانہ الفاظ میں دیئے۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ سنتی ہوں یہ جلسے ہر سال ہوا کرتے ہیں۔ کاشی کی سب پیشن گوئیاں سچی ثابت ہوتی ہیں اور کبھی ایک غلط ہو جائے تو کاشی ان کی تاویل بڑی خوبی سے کر دیتا ہے۔ کاشی کو ضمیر شناسی میں بڑا ملکہ ہے۔ گاؤں میں کہیں چوری ہو کاشی اس کا پورا پتہ دے گا جو کام پولیس کے بھیدیوں سے پورا نہ ہو وہ پورا کر دیتا ہے اور وہ گو ذات کا بھر ہے مگر گاؤں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ ان سب خدمات کا معاوضہ وہ بجز شراب کے اور کچھ نہیں لیتا۔ نام نکلوایئے مگر ایک بوتل اس کی نذر کیجئے۔ آپ کا مقدمہ کچہری میں ہے۔ کاشی اس کی فتح کی کوشش میں سرگرم ہے بس اسے ایک بوتل آب سرخ دیجئے''

ہولی کا زمانہ بہت قریب ہے ایک ہفتہ سے زائد نہیں۔ اہا، میرا دل اس وقت کیسا باغ باغ ہو رہا ہے۔ دل میں مسرت آمیز گدگدی محسوس ہو رہی ہے۔ آنکھیں تمہیں دیکھنے کے لیے ترس رہی ہیں۔ یہ ہفتہ بڑی مشکلوں سے کٹے گا اور پیا کے درشن پاؤں گی

تمہاری پیاری

برجن

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006